رسائل و مسائل

مسئلۂ شہادتِ حق

سوال:- تحریکِ اسلامی کی پہلی کتاب "شہادتِ حق" نظر سے گذری۔ اس نے عجیب الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں کے امیر سے میں نے (CONTACT) کیا مگر وہ مطمئن نہ کر سکے۔ انہوں نے آپ کا پتہ دیا۔ میرے سوالات درج ذیل ہیں۔

۱- وہ مسلمان جو کسی بھی تحریکِ اسلامی سے منسلک نہیں ہوتے۔ کیا کسی صورت میں بھی وہ شہادتِ حق کا فریضہ انجام نہیں دے رہے ہوتے؟

۲- وہ لوگ (مراد مسلمان) جو گورنمنٹ ملازم ہوں، ایک تنظیمی صورت میں شہادتِ حق کا فریضہ کیسے انجام دیں؟

۳- شعور سنبھالتے ہی کیا ایک مسلمان پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ فوراً کسی تحریک کے ساتھ منسلک ہو کر شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دے؟ کیا وہ کچھ عرصے تک کے لیے یہ فریضہ سرانجام دینے سے (DELAY) نہیں کر سکتا؟

۴- جو مسلمان ایک تنظیمی صورت میں شہادتِ حق کا فریضہ انجام نہیں دیتے وہ تقریباً نامسلم ہوتے ہیں ــــ تحریک کے مسلک کی رو سے، یہ کیوں؟

۵- امتِ محمدیہ (اکثریت) نے اس اہم فریضے سے کنی کیوں کترائی؟ اور اب بھی یہی حال ہے۔

۶- سابقہ بڑے بڑے علماء، ائمہ اور مجددین نے، ایک تنظیمی صورت میں اس اہم فریضے کو کیوں نہ انجام دیا؟

۷ ــــــ مغرب کے لوگ اپنی اس عادت کی بہت تشہیر کرتے ہیں، اور فخر بھی کہ ہم منظم (مراد ٹائم ٹیبل بنا کر) زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم مشرق کے رہنے والے غریب لوگ جن کا آنے والا ہر دن ایک ہنگامی دن ہوتا ہے، معاش کے بکھیڑے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ میرا اتنا کچھ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اسلام ایسا کچھ کرنے کی تلقین کرتا ہے تو چارو نا چار ہم منظم زندگی گذاریں گے۔ بصورت دیگر ہمیں کیا پڑی ہے کہ مغرب کی تقلید کریں۔

جواب:-

آپ نے جس کھلے دل سے اور صاف صاف انداز سے اپنے اشکال (متعلق "شہادتِ حق") لکھے ہیں اُن سے میرے اندر آپ کے بارے میں یہ حسنِ ظن پیدا ہوا ہے کہ آپ کا مقصد گریز اور فرار نہیں بلکہ آپ صحیح بات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ اسی بنا پر میں نے مفصل جواب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اگر میری گذارشات گرہ کشائی میں معاون ہو سکیں تو بہت اچھا، ورنہ کم سے کم آپ از سرِ نو سوچیں گے تو سہی!

جن رفیق (مقامی امیر) نے آپ کو میرا حوالہ دیا ہے، میں اُن کی محبت کا بھی شکر گذار ہوں اور آپ نے جس اعتماد سے مجھے مخاطب کیا ہے اُس پر بھی پورا اترنے کی خواہش کرتا ہوں۔ میری معروضات مفید ہوں تو اللہ کا شکر، غیر مؤثر ہوں تو میری کوتاہی!

پمفلٹ "شہادتِ حق" ہو یا جماعت اسلامی کا بقیہ لٹریچر، نیز تمام بزرگوں اور موجودہ علماء کے رسائل اور کتب یا دینی اداروں کی دعوتی سرگرمیاں، اُن سب کی اصل قدر و قیمت اس پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنّت کے تقاضوں سے روشناس کرائیں۔ قرآن کے بتائے ہوئے عقائد و احکام ہوں، یا سنت کے واضح کردہ حِکَم و معارف، اس دولتِ دین کا کوئی حصّہ کہیں سے بھی ملے، بلا تعصب اسے اخذ کر لینا چاہیے۔ لیکن جس تحریر و تقریر کا سررشتہ معنی کتاب و سنّت سے نہ ملتا ہو، یا بیچ بیچ میں کبھی ملے اور کبھی ٹوٹ جائے۔ اس کے بارے میں احتیاط واجب ہے۔

اصل سوال جو شہادتِ حق کو پڑھ کر کسی کے دل میں پیدا ہونا چاہیے وہ یہی ہے کہ اس معاملے میں خدا اور رسولؐ کی رہنمائی کیا ہے؟ پھر اگر کوئی بات خدا اور رسولؐ کے منشا کے مطابق سامنے آجائے تو دوسرا سوال صرف یہی کوئی شخص سوچ سکتا ہے کہ ایسی بات پر عمل پیرا کیسے ہوا جائے اور مشکلات اور رکاوٹیں کیسے

دُور کی جائیں۔ مگر آپ کا ذہن اصل سوال سے ہٹ کر دوسرے اطراف میں نکل گیا ہے۔

جس اصل سوال کا میں ذکر کر رہا ہوں، اُس کے جواب میں شہادتِ حق میں خاصے اہم دلائل و شواہد موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک بار آپ اِن پر بہ طورِ خاص توجہ کریں۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ "مسلمان کے نام سے آپ کو ایک مستقل اُمت بنانے کی واحد غرض جو قرآن میں بیان کی گئی ہے، وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگانِ خدا پر شہادتِ حق کی حجت پوری کریں"۔
(شہادتِ حق ص ۵)

اس دعوے کے سامنے یہ آیت پیش کی گئی ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ-۱۴۳)۔

علاوہ ازیں مزید دو آیات بھی سامنے رکھی ہیں:

اوّل — يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ-۸)

دوم — وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (البقرہ-۱۴۰)

۲۔ "اسی شہادت کے لیے انبیاء علیہم السّلام دُنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اور اس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا ــــ اور اب خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ فرض اُمتِ مسلمہ پر بہ حیثیت مجموعی اسی طرح عاید ہوتا ہے، جس طرح حضورؐ پر آپ کی زندگی میں شخصی حیثیت سے عاید تھا"۔ (شہادتِ حق ص ۷)

اب میں یہاں مزید وضاحت کے لیے اپنی طرف سے یہ کہتا ہوں کہ اسلام میں کلمۂ شہادت کا وجود ہی خود متذکرہ فریضے پر دلالت کر رہا ہے۔ ایک عامی سے عامی مسلمان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اس کی زبان سے اگر کہلوایا جا رہا ہے کہ "میں گواہی دیتا ہوں ..... " تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدائے واحد کی الہیت اور جناب خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی حقانیت کا گواہ بن کے اُٹھا ہے۔ ہماری تمام مساجد سے پنج وقتہ یہ گواہی نشر ہوتی ہے۔ گویا فریضۂ شہادت کوئی اہم چیز ہے۔ جس کے لیے جڑ بنیاد سے اہتمام کیا گیا ہے۔ دین میں اگر گواہی اور اعلان کی ضرورت نہ ہوتی تو انبیاء اور صلحاء اپنے اپنے دَور میں ذاتی حد تک ایمان لا کر اُسے دل ہی دل میں رکھتے اور زندگی کے ہنگامے میں کوئی مداخلت نہ فرماتے اور نہ وقت کے کفار و مشرکین اور اُن کے سرداروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے۔ جب کوئی پیغمبر اُٹھتا ہے اور

جہاں پر اللہ کا کوئی بندہ خدا کے دین کا خادم بنتا ہے، وہ اپنے گرد و پیش کی دنیا تک ایک پیغام پہنچاتا ہے۔ ایک گواہی دیتا ہے، ایک اعلان کرتا ہے اور پیغام کو قبول کرنے والوں کو اپنے گرد جمع کر کے ان کو بھی اسی گواہی دینے کے عمل کی تربیت دیتا ہے، جس کے نتیجے میں خدا کے نقیبوں کی گواہی قبول کرنے والے بھی گواہی دینے لگتے ہیں۔

ویسے ہر شخص اپنے قول و فعل سے کسی نہ کسی نظریہ یا مسلک کی شہادت دے رہا ہوتا ہے۔ بعض کی شہادت مثبت اور اقدامی انداز کی ہوتی ہے، بعض کی جامد۔ یا بعض لوگوں کے ہاں دو دوسری دوسری شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

اب میں آپ کے سوالوں کے جواب لکھتا ہوں، کئی ضروری امور ان میں آ جائیں گے۔

۱ — تحریک یا جماعت کی اہمیت کی بات آگے آ رہی ہے۔ یہاں میں سوال کے جواب میں اتنا ہی کہوں گا کہ مختلف قسم کے مسلمانوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ کم سے کم انفرادی حد تک جزوی طور پر شہادت دے رہے ہوتے ہیں۔ بعض کی قولی اور عملی شہادت میں فرق ہوتا ہے، بعض ایسے بھی ہیں جو مسلمان پیدا ہونے کے باوجود کسی مخالفِ اسلام نظریہ و مسلک کی شہادت دیتے اور اُس کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے طرزِ عمل کا جوابدہ ہے۔

۲ — ملازمین کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ اس طبقے کے افراد بھی مختلف دینی تحریکوں اور سرگرمیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہے ہیں اور آج بھی دین کی خدمت کے دروازے اُن پر بند نہیں ہیں۔ اگر ملازمت کا ضابطہ صفِ اوّل میں کام کرنے سے مانع ہو تو پیچھے رہ کر کام کر سکتے ہیں۔ اور خود دفتری دائرے میں اگر یہ دینِ اسلام کے حق ہونے کی شہادت دینا چاہیں تو ایسے حلقے بنا سکتے ہیں جو ایک طرف عقاید و عبادات کی تلقین کرنے والے ہوں، دوسری طرف اپنے ساتھیوں میں فرض شناسی اور دیانت داری کا دہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کو دیکھ کر ہر کوئی یہ محسوس کرے کہ ان لوگوں کو اسلام نے فلاح و سعادت سے نوازا ہے۔ پھر گھروں کا دائرہ ہے، دوست احباب اور رشتہ داروں کے دائرے ہیں۔ اِن دائروں میں شہادتِ حق دینے پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

۳ — اس سوال کو آپ ذرا محدود کر لیں۔ یعنی یوں سوچیں کہ کیا شعور آتے ہی ایک مسلمان کو نماز روزہ کی پابندی اختیار کرنی چاہیے۔ یا یہ کہ کیا وہ دائرۂ ایمان میں داخل ہوتے ہی قمار، زنا اور

شراب سے تعلق توڑ لے یا یہ کہ وہ راستی، دیانت اور انصاف کا راستہ اختیار کر لے۔ جس طرح ان معاملات میں وہ اپنے آپ کو نئی روشِ زندگی کا پابند کرے گا۔ اسی طرح شہادتِ حق دینے کی ذمہ داری پوری کرنے میں بھی سرگرم ہو گا۔

اگر آپ سیرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور احوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جس نے بھی حضورؐ کی دعوت قبول کی، اُس کے لیے چھپ کر اپنے آپ کو اس دعوت کے پھیلانے سے روکے رکھنا ممکن نہ رہا۔ حضرت ابو ذرؓ کی مثال سامنے ہے کہ ایمان لاتے ہی کعبہ میں جا کر اعلان کیا اور مار کھائی۔ حضرت سیدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو زور دار اور مؤثر طریقوں سے یہ گواہی عام کر دی کہ میں خدا اور رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں۔ وہاں ہر شخص پیغام قبول کرتے ہی جان لیتا تھا کہ یہ پیغام مجھے آگے پہنچانا ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ آپ پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہونے کا شعور ہوتے ہی کیا بلا توقف شہادتِ حق دینا ضروری ہے؟ اِس میں پوچھنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ آپ نے اگر چشمِ بینا اور دلِ روشن کے سامنے یہ حقیقت پائی کہ رات کی تاریکی سے دن کی روشنی اچھی ہے تو پھر اس حقیقت کو دوسروں تک پہنچانے میں مہلت تلاش کرنے کی کیا ضرورت؟ آپ کو اللہ نے جس لمحے یہ شعور عطا کر دیا کہ خدا اور رسولؐ کا دین ہی مبنی بر صداقت اور ذریعۂ فلاح ہے تو پھر اسی حقیقت کو آگے منتقل کرنے میں تامّل کیوں؟ تاخیر کی ضرورت کیا؟

دراصل یہ ساری اُلجھن اُن مسلمانوں کو کبھی پیش نہ آئی جو کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان لائے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم پہلے سے مسلمان ہیں اور ہمیں اسلام کی ذمہ داریوں کے بارے میں یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ آیا ہم ان کو شعور پاتے ہی پورا کرنے لگیں یا کچھ مہلت گزار کر۔

۴ — ہمارا مسلک کبھی یہ نہیں رہا کہ مسلمانوں کو نامسلم قرار دیں یا اُن کی تکفیر کریں۔ ہمارا اندازِ تلقین ہمیشہ یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو یہ جاننا چاہیے کہ اُن پر یہ اور یہ ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں، انہیں پورا کرنے ہی سے مسلمان ہونے کا حق ادا ہو گا۔

مثلاً ایک سادہ سی مثال لیجیے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نماز نہیں ادا کرتی، حالانکہ نماز کی اہمیت دین میں بہت زیادہ ہے۔ ایمانیات کے بعد فرض عبادات میں نماز سرِ فہرست ہے۔ مگر ہمارا طریقِ نصیحت یہ کبھی نہیں رہا کہ جو نماز نہ پڑھتا ہو اُس کی پہلے تکفیر کریں اور پھر اُس سے کہیں کہ مسلمان ہونا یا

رہنا چاہتے ہو تو نماز ادا کرو۔ داعی اور معلم فرد یا جماعت کا کام تکفیر ہے ہی نہیں، اس کا تو طریقہ یہ ہوگا کہ لوگ جس جگہ ہیں، وہاں سے وہ آگے قدم بڑھائیں۔ میں اس سلسلے میں چند الفاظ "شہادتِ حق" ہی سے نقل کرتا ہوں :- پہلی بات تو یہ کہ اُن مسلمانوں کو مسلمان قرار دے کر ہی بات کی گئی ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں :-

" ہماری دعوت کا خطاب ایک تو اُن لوگوں سے ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں، دوسرے اُن عام بندگانِ خدا سے جو مسلمان نہیں ہیں"[1] (شہادتِ حق - ص ۴)

پھر کہا گیا ہے کہ :-

"مسلمانوں کو ہم جس چیز کی طرف بلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اُن ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ادا کریں جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اُن پر عاید ہوتی ہیں"۔
(شہادتِ حق - ص ۵)

پھر خاص طور پر شہادتِ حق کو بہ حیثیت ایک ذمہ داری کے پیش کیا گیا ہے :

" وہ ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ وہ صرف یہی نہیں کہ آپ خدا پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے ضابطے پر عمل کریں، بلکہ اُن سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بڑی ذمہ داری آپ پر یہ بھی عاید ہوتی ہے کہ آپ عام دُنیا کے سامنے اُس حق کے گواہ بن کے کھڑے ہوں، جس پر آپ ایمان لاتے ہیں" (شہادتِ حق - ص ۵)

ذمہ داریوں کا تو معاملہ ہی یہی ہے کہ جب اُن کا علم اور شعور ہو، اسی وقت سے انسانی ضمیر اس کا پابند ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں ادا کرے یا انہیں ادا کرنے کی کوشش کرے یا ادا کرنے کا علم اور اس

---

[1] واضح رہے کہ یہ ۱۹۴۶ء کی تقریر ہے اور اس میں جن دوسرے لوگوں کا ذکر ہے اُن سے مراد ہندو، سکھ آبادی تھی۔

کے ذرائع حاصل کرنے میں لگ جائے۔ غفلت اور نادانی جب تک رہے تو آدمی کا ایک عذر ہوتا ہے، لیکن علم و شعور ہونے کے بعد عذر ختم ہو جاتا ہے اور حجت قائم ہو جاتی ہے۔

۵ ــــ اُمتِ محمدیہ نے قرونِ اُولیٰ میں شہادتِ حق کی ذمہ داری بڑے معیاری طریقے سے انجام دی ہے۔ پھر اُس کے بعد کے دور میں بھی ایسے علمائے حق اور ائمہ ہدیٰ اُٹھتے رہے، جنہوں نے نہ صرف خود اس ذمہ داری کا حق ادا کیا، بلکہ دوسروں کو بھی ادائے فرض میں لگایا۔

لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہمارے سامنے ہے کہ ہماری خاصی بڑی اکثریت اس ذمہ داری کو فراموش کر بیٹھی۔ آپ سوال کرتے ہیں کہ لوگ کنّی کیوں کتراتے ہیں، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ لوگ نماز جیسے بنیادی فریضہ کو ادا کیوں نہیں کرتے؟ جو جواب اِس سوال کا ہو سکتا ہے، وہی آپ کے سوال کا بھی ہے۔ میں ان دونوں سوالوں کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ زوال و انحطاط کا ایک عمل ہے جس سے ہم دوچار ہیں یہاں موقع نہیں کہ وجوہِ زوال انحطاط پر بحث کی جائے۔

جب کسی دینی ملت پر زوال طاری ہو گیا ہو تو اُس کا علاج صرف اس طریقے سے ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو دعوت دے کر اور تلقین کر کے اُن کے ایمان اور علم اور شعور کو تازہ کیا جائے اور انہیں غفلت اور جمود کے گرداب سے نکالا جائے۔ جوں جوں لوگوں میں ایمان بیدار ہو گا، علم پھیلے گا اور شعور اُبھرے گا، انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگے گا۔ کم سے کم سلیم الطبع عناصر سے تو یہی اُمید کرنی چاہیے۔

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو جماعت نے توسیعِ دعوت اور فروغِ علمِ دینی کے لیے اختیار کیا، اور اُسی کے مطابق مولینا مودودیؒ نے وہ تقریر کی تھی جسے آپ نے آج شہادتِ حق کے نام سے ملاحظہ فرمایا ہے۔ یہ سراسر ایک یاد دہانی اور چیتاؤنی ہے۔ بے شمار لوگوں نے مولینائے مغفور کی یاد دہانی سے استفادہ کر کے اپنی زندگیوں کا نقشہ بدلا ہے اور آئندہ بھی لوگ اپنے افکار و کردار کی تعمیر نو کرتے رہیں گے۔

۶ ــــ تمام سابقہ علمائے حق نے کسی نہ کسی طریق سے شہادتِ حق کا فریضہ ادا کیا ہے۔ اور اُن میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کے دور میں جماعت بندی ممکن نہ تھی۔ پھر بھی بعض نے حلقہ ہائے شاگرداں، بعض نے حلقہ ہائے ارادت و بیعت کی صورت میں جماعت کی ضرورت کو پورا کرنے کی

کوشش کی۔

برائے تحقیقات تو سابق ادوار کی دینی شخصیتوں کے کام کی کھوج کرید کرنی چاہیے اور اُن سے مفید اسباق لینے چاہئیں، مگر دین کے مطالبات کو جاننے کے بعد اُن پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط عاید نہیں کی جا سکتی کہ پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ سلف کے تمام کے تمام اصحاب نے یا خاص طور پر فلاں فلاں اصحاب نے اُن مطالبات کو پورا کیا یا نہیں اور پورا کیا تو کس حد تک۔ دین میں دلیل و سند خدا کے بعد انسانوں میں سے صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ جو سوال پوچھنا ہو، وہاں سے پوچھیے اور جو نمونہ لینا ہو، وہاں سے لیجیے۔ ہاں جس جس ہستی کے جو بھی اقوال و اعمال اسوۂ حضورؐ کے مطابق ہوں گے اُن سب کو قابلِ قدر بھی سمجھنا چاہیے اور اُن سے فائدہ بھی اٹھانا چاہیے۔

۷ — اس سوال کا نمبر نہیں ہے، مگر یہ بھی ایک ضروری سوال ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ مغرب کے لوگ بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم منظم زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اصلاً تو مغرب سے پہلے ہم منظم اور جماعتی زندگی کا ایک اعلیٰ معیار لے کے چلے تھے، کیونکہ اجتماعیت ہمارے دین کا مزاج ہے اور جماعت کی اہمیت اصولی ہے۔ قرآن میں آپ "اُمت" اور "ملت" اور "حزب اللہ" اور "شوریٰ" کے الفاظ کو اور حدیث میں لفظ "جماعت" کو دیکھیں گے کہ یہ ساری اصطلاحیں اجتماعیت کی آئینہ دار ہیں۔ پھر عبادات کا نظام اجتماعی ہے۔ حج کے لیے امیرِ حج، قافلے کے لیے امیرِ سفر اور دو افراد بھی اگر نماز پڑھیں تو ایک امامِ صلوٰۃ ہوتا ہے۔ گھروں کے نظام کو درست رکھنے کے لیے خاتونِ خانہ کو "راعیۃ علی بیت زوجھا" کہا گیا ہے، یعنی وہ اپنے شوہر کے گھر کی کارپرداز ہوتی ہے۔ مرد کو قوامیت کا منصب دیا گیا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی شعبۂ زندگی اور گوشۂ تمدن ایسا نہیں ہے، جہاں مسلمان جماعت کے بغیر زندگی گذار سکے۔

ایک اسکول چلانے کے لیے، ایک دفتر چلانے کے لیے، ایک دارالاشاعت چلانے کے لیے اور ایک عام کاروبار چلانے کے لیے منظم ادارات کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر آپ نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ دعوتِ دین، شہادتِ حق، اور توسیعِ اصلاح اور اقامتِ دین کے لیے جو لوگ اُٹھیں وہ بکھرے ہوئے افراد ہوں۔ حالانکہ کام جتنا زیادہ اہم اور جتنا بڑا ہے اس کے لیے اتنی

ہی زیادہ ضرورت اجتماعی مساعی کی ہے۔ بہت سے افراد جب اپنی دماغی، مالی اور جسمانی صلاحیتوں کو ایک نظم میں لے آتے ہیں تو وہ بڑے پیمانے پر کام کو کر سکتے ہیں۔ ایک تنہا فرد اگر اپنے بل بوتے پر ایک پمفلٹ چھپوا سکتا ہے تو سو پچاس آدمی مل کر پورا ایک پریس قائم کر سکتے ہیں۔ ایک شخص اگر دو چار نسخے کسی کتاب کے پھیلاتا ہے تو ایک جماعت، کئی لائبریریاں قائم کر سکتی ہے۔

جماعت کی ضرورت صرف اس لیے نہیں کہ کام کا پیمانہ بڑھ جاتا ہے بلکہ اس لیے بھی ہے کہ جماعت کے سہارے ایک فرد مشکل حالات میں کھڑا رہتا ہے۔ اُسے اپنے ساتھیوں سے حوصلہ ملتا ہے۔ پھر جماعتی نظم میں چلنے والوں کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ ایک دوسرے کو وصیت کرنے سے اور ایک دوسرے کا احتساب کرنے سے افراد اپنے ایمان و کردار میں مضبوط رہتے ہیں۔

مگر سوال محض فوائد اور مصلحتوں کا نہیں ہے، دین خود جماعتی نظم کا مطالبہ کرتا ہے، اور بغیر نظم کے شہادتِ حق کا فریضہ کما حقہٗ ادا نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں پیشِ نظر پمفلٹ میں یہ رہنمائی موجود ہے:

> "اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کیے جا سکتے، اس کے لیے اجتماعی سعی ضروری ہے"۔ ------ یہی وجہ ہے کہ دین میں جماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے ------ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی، اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے"۔
>
> (شہادتِ حق - ص ۲۶)

نوٹ:- اس مقام پر حاشیے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے، جس کا آغاز اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ اس میں جماعت اور سمع و طاعت کو لازم گردانا گیا ہے اور اوپر کے اقتباس میں جو تین باتیں شامل ہیں، اس حدیث سے ان کی توثیق ہوتی ہے۔

آپ نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ "ہم مشرق کے رہنے والے غریب لوگ، جن پر آنے والا ہر دن ایک ہنگامی دن ہوتا ہے، معاش کے بکھیڑے میں ایسے ہوتے ہیں کہ بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں ------ الخ اور اس سے آگے یہ محذوف ہے کہ ہمارے لیے جماعتی منظم زندگی اختیار کرنا ممکن نہیں۔ بے شمار لوگ ہمارے اردگرد غریب ہوتے ہوئے لڑائیاں، جھگڑے، مقدمہ بازیاں

تفریحیں، سینما بینی، آوارہ گردی، اور طرح طرح کی تفریحیں کرتے رہتے ہیں۔ تاش چوسر کھیلتے ہیں — دوستوں میں گپ لڑاتے ہیں، ہوٹلوں یا چائے خانوں میں پہنچتے ہیں۔ بس لے دے کے زندگی میں اجتماعیت پیدا نہیں کر سکتے۔ آپ کے دلائل کی بنیاد پر تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ میں چونکہ غریب آدمی ہوں، اس لیے نماز نہیں پڑھ سکتا، روزہ نہیں رکھ سکتا، کوئی نیک کام نہیں کر سکتا، حجامت نہیں کرا سکتا، کپڑے نہیں دھو سکتا، بستر نہیں بچھا سکتا، اخبار نہیں پڑھ سکتا، ریڈیو نہیں سن سکتا، غرضیکہ زندگی کی ہر ضرورت و مصروفیت کے متعلق یہ عذر کیا جا سکتا ہے۔ مگر عملاً ہونے والے کام ہوتے رہتے ہیں، آدمی کلاس روم میں بھی ایک اجتماعیت سے وابستہ ہوتا ہے، دفتر میں بھی وہ ایک نظم سے رہتا ہے۔ گھر بھی ایک اجتماعی ادارہ ہے۔ لے دے کے بس دین کی خدمت کے لیے اجتماعی صورت اختیار نہیں کی جا سکتی۔

میں آپ کی اطلاع کے لیے عرض کروں کہ ہم لوگ جو شہادتِ حق کا منظم کام کر رہے ہیں، ہماری بیشتر تعداد غریب لوگوں پر مشتمل ہے جن کو سخت قسم کی معاشی جد و جہد سے سابقہ ہے۔ بہت سی دوسری تنظیموں اور اداروں سے بھی غریبوں کی ایک تعداد وابستہ ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ نے غریبی کا مسئلہ بیچ میں کیوں چھیڑا، اور پھر مشرق کی نسبت سے بھی عذر پیش کیا کہ ہم مشرق کے لوگ نظم کے قریب نہیں پھٹک سکتے۔

رہا ٹائم ٹیبل یا تنظیمِ اوقات کا مسئلہ تو اس کی ضرورت کافر سے زیادہ مسلمان کو، اور امیر سے زیادہ غریب کو ہے۔ صرف اسی طرح ایک ایک لمحے سے پورا استفادہ کرنا ممکن ہے۔ تنظیمِ اوقات کی تعلیم بھی اسلام نے دی ہے۔ لہٰذا چار و ناچار یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ آپ کے باقی خط سے تو نہیں، البتہ اس حصے کو پڑھ کر فراری کا رجحان جھلکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ محض میری غلط فہمی ہو۔

آخر میں میں اس طرف بھی توجہ دلا دوں کہ "شہادتِ حق" کے مؤلف مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے یہ بات وضاحت سے کہہ دی ہے کہ ہم خاص اپنی ہی جماعت کی طرف دعوت نہیں دے رہے، ملاحظہ ہو:-

> "اب تمہارے سامنے تین راستے ہیں، اور تمہیں پوری آزادی ہے کہ ان میں جس کو چاہو اختیار کرو۔ اگر تمہارا دل گواہی دے کہ ہماری دعوت، عقیدہ، نصب العین نظامِ جماعت اور طریقِ کار سب کچھ خالص اسلامی ہے اور ہم وہی کام کرنے اٹھے ہیں

جو قرآن و حدیث کی رُو سے اُمتِ مسلمہ کا اصل کام ہے تو ہمارے ساتھ آجاؤ۔ اگر تمہیں کسی وجہ سے ہم پر اطمینان نہ ہو اور کوئی دوسری جماعت تم کو ایسی نظر آتی ہو جو خالص اسلامی نصب العین کے لیے اسلامی طریق پر کام کر رہی ہو تو اُس میں شامل ہو جاؤ ـــــ اور اگر تم کو نہ ہم پر اطمینان ہے اور نہ کسی دوسری جماعت پر تو پھر تمہیں اپنے فرضِ اسلامی کو ادا کرنے کے لیے خود اُٹھنا چاہیے اور اسلامی طریق پر ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جس کا مقصد پورے دین کو قائم کرنا اور قول و عمل سے اُس کی شہادت دینا ہو..... ہم نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ صرف ہماری ہی جماعت حق پر ہے۔ اور جو ہماری جماعت میں نہیں ہے وہ باطل پر ہے۔" (شہادتِ حق۔ ص ۲۷-۲۸)

خدا کرے کہ آپ میرے ان معروضات پر صاف دل سے غور کریں۔ پھر اگر یہ کوشش آپ کی کسی گرہ کو سلجھانے میں مدد ہو، تو آپ بھی خدا کا شکر ادا کریں اور میں بھی۔ ورنہ آپ کی ذمہ داری آپ تک اور میری ذمہ داری مجھ تک۔

کتاب

تُجعَةُ الرّائدِ وَشِرعَةُ المُوارِد (عربی میں)

(فی المترادف والموارد)

تالیف: ابراهیم الیازجی اللبنانی

فنِ لغت میں ایک جداگانہ طرز کی کتاب

ہ مختلف حالات کے لیے عربی محاورات و تراکیب کا استعمال ہ ایک ہی چیز یا کیفیت کے مختلف نام
ہ ایک ایک مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی مثالیں ہ ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ذخیرۂ الفاظ و تراکیب

دبیز چکنے سفید کاغذ پر ٹائپ سے طباعت ـــــ خوب صورت جلد

صفحات: ۲۳۶ ـــ سائز: ۲۳x۳۶/۸ ـــ قیمت: ۵۰/- روپے

پتہ: مجمع المعارف الاسلامیہ ہ المنصورہ۔ لاہور۔ پاکستان